سلسلہ مطبوعات ۶۵

مقاصدِ طریقت

مولانا حسین احمد علوی

شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن

سلسلہ مطبوعات ۶۵

مقاصدِ طریقت

مولانا حسین احمد علوی

شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن

مضامین ایک نظر میں

مقاصد طریقت	5
مقصد اوّل	8
مقصد دوم	11
حقوق اللہ اور حقوق العباد کا مسئلہ	12
مقصد سوم	14
مقصد چہارم	15
مقصد پنجم	16

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مقاصد طریقت

حَامِداً وَّمُصَلِّیاً وَّمُسَلِّماً!

اے لالہء صحرائی! تنہا نتوانی سوخت،

این داغ جگر تابے برسینہء آدم زن!

(ترجمہ: اے صحرا کے خوش نما پھول! تجھے یہاں اکیلے نہیں جلنا چاہیئے یہ نشان (حرارت عشق) جو جگر کو چمکا دینے والا ہے انسان کے سینہ پر بھی ثبت کر)

دین اسلام دُنیا میں محض مذاہب کی صف میں ایک مذہب کے اضافے کے طور پر نہیں آیا، بلکہ دین اسلام اس لیے آیا ہے کہ اس کو تمام معاشروں میں سیاسی، معاشی اور معاشرتی غلبہ ہو، غلبہ دین درحقیقت انسانیت کے اعلیٰ فطری اصولوں کا غلبہ ہے، کسی گروہ یا فرقہ کا غلبہ نہیں۔ غلبہء دین کے اس تصور کے ساتھ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے دُنیا کی مظلوم اقوام کو قیصر و کسریٰ کے ظالمانہ نظاموں سے نجات دلائی۔

اسلام سابقہ تمام مذاہب کی سچائیوں، تمام تجربات کی صداقتوں اور انسانی اجتماعیت کی دریافت شدہ دانش کا جامع دین ہے۔ اس لئے اللہ عزوجل نے فرمایا "اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰہِ الۡاِسۡلَامُ۔" (سورہ آل عمران) "بے شک اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ دین اسلام ہے۔" اس لئے سابقہ تمام مذاہب کے مقابلہ میں "اسلام" ایک جامع تصور حیات ٹھہرا۔ ایک ارشاد باری تعالیٰ کا مفہوم یہ ہے کہ "بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر احسان کیا ہے کہ ان میں ایک رسول ﷺ کو بھیجا انہی میں سے جو اُن کو آیات پڑھ کر سناتا ہے (یعنی احکامات کی تعلیم دیتا ہے) انہیں پاک کرتا ہے (یعنی انہیں تہذیب و تزکیہ اور اخلاق سکھاتا ہے) اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور بے شک وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔" (سورۃ آل عمران)

دین حق کی تعلیمات پوری انسانی زندگی، مہد سے لحد (گود سے گور تک) تک کو محیط ہیں۔ جس کا خلاصہ تین عنوانوں کے تحت آجاتا ہے جسے عرف عام میں شریعت، طریقت اور سیاست کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

یہاں یہ ذکر مناسب ہوگا کہ دین حق کے ان تین شعبوں کی بالوضاحت نشاندہی برصغیر کے معروف بزرگ حضرت مولانا شاہ محمد الیاس دہلویؒ بانی جماعت تبلیغ نے فرمائی۔

(۱)۔شریعت ان دینی قوانین کے مجموعہ کا نام ہے، جس میں سماجی زندگی کے تمام شعبوں میں فطری اور طے کردہ معاہدوں کو عدل وانصاف کے ساتھ نبھانے کی تعلیمات اور رہنمائی موجود ہے۔

(۲)۔طریقت وہ جذبہء عمل ہے جو تزکیہء نفس کے ذریعہ قانونِ شریعت پر عمل اور اس کی نفاذ کی باطنی قوت اور حوصلہ فراہم کرتا ہے۔

(۳)۔سیاست قانونِ شریعت کو معاشرے میں عملی نفاذ کی حکمتِ عملی ہے۔ جس کا تعلق دور کے اجتماعی تقاضوں سے ہوتا ہے۔

دین اسلام کی عمارت ان تین ستونوں پر کھڑی ہے۔ لہذا جس طرح انسانی زندگی ناقابل تقسیم وحدت ہے اسی طرح ان تینوں کا ربط بھی ناقابل تقسیم حقیقت ہے، کامل نظریہ حیات وہی ہے جس میں تینوں موجود ہوں اور مکمل انسان (لائق قیادت) وہ ہے جو ان تینوں کو عملی زندگی میں اختیار کیے ہوئے ہے۔

شریعت، طریقت اور سیاست کے باہمی ربط کے فقدان اور دین کی جامعیت کے مجروح ہونے سے نفع کی بجائے یہ تینوں چیزیں فکری اور سماجی نقصان کا باعث بن جاتی ہیں۔ مثلاً شریعت جو مجموعہء قوانین ہے اگر اسے طریقت وسیاست سے جدا کردیا جائے تو اس کے سطحی انداز فکر سے رویوں میں تشدد اور فکری جمود پیدا ہو جاتا ہے، کیونکہ شریعت کے عملی نفاذ کے لیے جس وسعت نظری، ضبطِ نفس اور صبر وتحمل کا مظاہرہ ہونا چاہئے، وہ طریقت کے مفقود ہونے سے جاتا رہتا ہے۔ اسی طرح قیام شریعت کے لئے اجتماعی سوچ کا ہونا ضروری ہے نیز عصری تغیرات سے شعوری واقفیت درکار ہوتی ہے جو "سیاست" سے پہلوتہی کے سبب ختم ہو کر رہ جاتی ہے۔

اسی طرح طریقت جو ضبطِ نفس اور تزکیہ نفس کے لیے ایک ضروری شے ہے اگر اسے شریعت اور سیاست سے الگ کر دیا جائے تو وہ رہبانیت بن کر رہ جاتی ہے۔ اس کی تنہائی، خلوت اور وحشت، سیاسی شعور، اجتماعی حکمت عملی اور شرعی قانون اور نظم وضبط کی بدولت ہی دُور ہو سکتی ہے۔

سیاست جو شریعت کے عملی نفاذ کی حکمت عملی ہے اسے اگر ان دونوں یعنی شریعت وطریقت سے جدا کر دیا جائے تو وہ محض ظلم، استبداد، استحصال، طبقاتی جبر اور ذاتی وگروہی مفادات کے حصول کا ذریعہ بن کر رہ جاتی ہے۔ اس کے استبدادی جبر اور استحصالی عنصر کو ختم کرنے کے لیے شریعت کے ضابطوں کی پابندی اور طریقت کے ذریعہ تزکیہء نفس کا ہونا ضروری ہے۔

آج ہماری قوم کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ وہ ان تینوں دینی شعبوں کے حامل، اجتماعیت پسند نظام اور اس کی تربیت یافتہ قیادت سے محروم ہے۔ مذکورہ بالا شعبوں کے امتزاج واتحاد سے ایک مثبت اور تعمیری ماحول اور ایک خدا پرست اور انسان دوست نظام اور معاشرہ پیدا ہوتا ہے۔ ہمارے صوفیاء کرام اور اولیاء اللہ اسلام کے اس جامع نظریہ حیات کے داعی تھے ان کے ہاں نہ تو سیاست گناہ تھی اور نہ ہی وہ شریعت کے تقاضوں کو پس پشت ڈالتے تھے۔ اللہ ہمیں اجتماعی فکر کی بنیاد پر جدید حالات کے تناظر میں ایک انسان دوست سماج تشکیل دینے کا شعور اور اہلیت نصیب فرمائے۔ ہماری بدقسمتی ہے کہ آج شریعت والے طریقت والوں سے الگ ہیں، طریقت والے سیاست والوں سے الگ ہیں اور سیاست والے شریعت والوں سے الگ ہیں پھر یہ کہ کام دین کے ایک جزو کا کرتے ہیں اور دعویٰ کل دین کا رکھتے ہیں۔

اللھم حبب الینا الایمان وزینہ فی قلوبنا وکرہ الینا الکفر والفسوق والعصیان واجعلنا من الراشدین۔

(ترجمہ: اے اللہ ایمان کو ہمارا محبوب اور اس کو ہمارے دلوں کی زینت بنا دے اور کفر، برائی، نافرمانی کو ہمارے لیے ناپسندیدہ کر دے، اور ہمیں اہل رُشد سے بنا دے۔)

آیئے اب ہم دین کے جامع تصورِ حیات کے تناظر میں طریقت کے مقاصد معلوم کرنے کی کوشش کریں:۔

واضح رہے کہ طریقت کا مفہوم راہ حق پر چلنا ہے، سورۃ الجن میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ طریقت کے مفہوم میں تزکیہ، احسان، سلوک اور تصوف کے الفاظ بھی استعمال ہوتے ہیں۔

حضرت امام شاہ ولی اللہؒ کے والد بزرگوار اور مربی حضرت شاہ عبدالرحیم دہلویؒ اپنے ایک مکتوب میں پانچ باتیں تحریر فرماتے ہیں جن کو مقاصد طریقت قرار دینا موزوں ہوگا:۔

۱۔دوام الذکر (ہمیشہ ذکر الٰہی کرتے رہنا)

۲۔التقویٰ علی کل حال (ہر حال میں تقویٰ اختیار کرنا)

۳۔ایصال النفع للخلق من غیر تفرقۃ (بغیر کسی فرق و امتیاز کے مخلوق کے نفع کے لیے کوشش کرنا)

۴۔عدم تفضیل نفسہٖ علی احد من خلقہٖ (اپنے آپ کو مخلوق میں سے کسی پر بھی برتر نہ سمجھنا)

۵۔ التواضع لامر اللہ ولخلق اللہ (اللہ کے حکم اور اللہ کی مخلوق کے لیے تواضع اختیار کرنا۔)

ذیل میں ان نکات کی مختصر وضاحت پیش ہے۔

۱۔مقصد اوّل:۔

دوام الذکر (ہمیشہ ذکر الٰہی کرتے رہنا)

اس راہ کے مبتدی (ابتدائی قدم رکھنے والے) کے لیے "اللہ کے ذکر" کے بغیر چارہ کار نہیں، کیونکہ اس کی فکری و روحانی ترقی اس ذکر ہی کے تکرار سے وابستہ ہے، بشرطیکہ وہ ذکر اس نے شیخ کامل و مکمل (دوسروں کو باکمال بنانے والا) سے حاصل کیا ہو۔

"اقلیم طریقت ذکر الٰہی سے آباد اور ارواح اولیاء اس کی تجلیات سے سرشار ہیں، ذکر الٰہی قرب الٰہی کا موجب، استقامت کی دلیل، خطرات نفس کا مانع (انسانی دل و دماغ میں آنے والے وسوسوں کی راہ میں رکاوٹ) طاغوتی قوتوں کے خلاف جہاد، اور

مکائد شیطانی کے خلاف اہل ایمان کے سپر (زرہ) ہے۔ قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ، مجددیہ (ولی اللّٰہیہ) اور دیگر تمام سلاسل طریقت کے اکابر ذکر الٰہی سے ممتاز وسرفراز ہیں۔'' (وظیفہء سعدیہ)

دائم ہمہ جا، با ہمہ کس، در ہمہ کار
می دار نہفتہ چشمِ دل جانبِ یار

(ترجمہ:۔ دائم (شاعر کا تخلص ہے) تمام مقامات پر، سب کے ساتھ رہتے ہوئے تمام کاموں میں مشغول ہوتے ہوئے بھی دل کی آنکھ اپنے محبوب کی طرف کشار کھتے ہیں۔)

جیسا کہ اوپر تحریر کیا گیا ''بشرطیکہ وہ ذکر اس نے شیخ کامل و مکمل سے حاصل کیا ہو۔'' اگر اس شرط کے ساتھ مشروط نہیں تو بسا اوقات اس کا ذکر ''ابرار'' (نیک منش لوگ) کی قسم سے ہوگا۔ کہ اس کا نتیجہ ثواب تو ہے لیکن اس سے تربیت کے نتیجہ میں درجہء قرب، حاصل نہیں ہو سکے گا۔ جس کا تعلق ''مقربین'' سے ہے۔ (الا من شاء اللہ)

شیخ و کامل و مکمل سے ذکر حاصل کریں جس کے اخذ و اجازت کا سلسلہ جناب رسول اللہ ﷺ تک مسلسل اور متصل ہو، کیونکہ اس کی برکت اور اثر جدا ہے۔ یہی تحقیقی یا تلقینی ذکر کہلاتا ہے، جو سالک (راہ طریقت پر چلنے والا) کے باطن میں تصرف کرتا ہے اور ولایت وقرب کے مرتبہ تک پہنچاتا ہے، ورنہ سنا سنایا یا کتاب سے دیکھا ہوا ذکر ''ذکر تقلیدی'' کہلاتا ہے، جس کا وہ اثر نہیں، گو ثواب سے خالی نہیں۔

جب خداوند جل شانہٗ کے فضل سے وہ معاملہ جو ذکر کے ساتھ وابستہ ہے تکمیل پا جاتا ہے اور نفسانی خواہشات کے جھوٹے معبودوں سے رہائی میسر آجاتی ہے، نفس امارہ (برائیوں پر ابھارنے والا نفس) نفس مطمئنہ (راہ خدا میں اطمینان محسوس کرنے والا نفس) بن جاتا ہے تو اس وقت سالک کو شیخ کامل کے زیر ہدایت تلاوتِ کلام اللہ اور نماز، طول قرأت (قرآن حکیم کی طویل قرأت) کے ساتھ ادا کرنے سے ترقی حاصل ہوتی ہے۔

برصغیر میں سلسلہ سہروردیہ کے بانی حضرت خواجہ بہاؤالدین زکریاؒ فرماتے ہیں:

''ان المقصود من الذکر ان یکون القلب دائماً حاضراً مع الحق

بوصف المحبۃ والتعظیم لان الذکر طرد الغفلۃ۔"

(یعنی ذکر سے مقصود یہ ہے کہ بندے کا دل اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور محبت کے ساتھ ہمیشہ (یعنی اکثر اوقات) حاضر رہے۔ اس لیے کہ ذکر خدا غفلت دور کرنے کا نام ہے۔)

ذکر کا لفظ اپنے اندر بڑی وسعت رکھتا ہے تفسیر مظہری میں حضرت قاضی ثناء اللہؒ پانی پتی لکھتے ہیں:

فکل امر مشروع من قول او فعل او تفکر اريد به وجه الله تعالیٰ بالاخلاص والحضور فهو ذکر، وماکان بلا اخلاص فهو شرك ومکان بغفلة فغير معتد به۔

(ہر وہ امر خواہ کوئی قول ہو یا فعل یا کوئی غور وفکر جو:

(i)۔ شریعت کے مطابق ہو۔

(ii)۔ اللہ کو راضی کرنے کے لیے یعنی اخلاص کے ساتھ ہو۔

(iii)۔ اور اللہ کے دھیان کے ساتھ ہو۔

تو وہ ذکر ہے اور جو کام بلا اخلاص ہو، وہ شرک ہے اور جو کام اللہ کے دھیان کے بغیر ہو تو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔)

اس لیے کہ "جس عمل سے حضور قلب اور خضوع (اللہ کے سامنے دل کا حاضر ہونا اور عاجزی اختیار کرنا) کی حالت نہ ہو وہ آخرت میں بھی نفع نہ دے گا۔ (امداد السلوک)

لہٰذا دوام ذکر (ذکر کی پابندی) سے مراد یقین واستحضار یعنی "احسان" کی کیفیت ہے۔ حضرت جبرئیل نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ احسان کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ تم اللہ کی بندگی اس طرح کرو جیسے تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم اسے نہیں دیکھ پا رہے ہو (یعنی یہ کیفیت نہیں) تو بلاشبہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے (یعنی اس کیفیت کو تو لازماً راسخ کرو)۔

قطب الارشاد مرشدنا مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں۔

"ہستیِ مطلق کو ہر دم خیال میں پرورش کرنا اور بلا کیف حاضر وموجود جان کر حیاء وشرم کے ساتھ بندۂ مطیع رہنا، مقصد اصلی ہے اور یہی "احسان" ہے اور باقی زوائد۔"

یعنی اللہ کی ذات کا ہر وقت اپنے ارادہ سے دل میں خیال لانا اور ہر وقت اس کو اپنے پاس موجود سمجھنا مگر اس طرح کہ اس کی کوئی مخصوص کیفیت پیش نظر نہ ہو کہ اللہ ہر قسم کی کیفیت سے بالاتر ہے اور پھر اس کے سامنے اپنے آپ کو موجود پاکر شرم محسوس کرتے ہوئے اس کا فرمانبردار بندہ بننا ہی اصل مقصد ہے اور اس کے علاوہ باقی باتیں اضافی ہیں گویا ہر کام کو بحضور ذاتِ خداوندی کرنا اور اس کی مرضی و نامرضی دریافت کر کے ترک و عمل کرنا چاہئے۔ اسی کا نام احسان ہے۔ (اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ)۔ (الحدیث)

ترجمہ: یہ کہ تو اللہ کی ایسے عبادت کر گویا کہ تو اسے دیکھ رہا ہے۔

صاحب طریقت ہونے کیلئے اعلیٰ عقلی صلاحیت کا ہونا ضروری ہے ورنہ رسمی طور طریقوں سے اپنے آپ کو اور اپنے جیسے افراد کو دھوکہ میں مبتلا رکھے گا۔ شیخ عبدالوہاب شعرانی قدس سرہٗ ''آداب العبودیہ'' میں لکھتے ہیں:

''عاقل وہ ہے جس کی نظر خزانہ سے گزر کر مالک تک پہنچ جائے اور اس کی محبت واطاعت میں دوسری چیزوں کو دل سے نکال دے۔''

از جدائی گرچہ جان آید بلب
وصل او کم جو، رضائے او طلب

ترجمہ: اگرچہ محبوب کی جدائی سے جان نکلنے کو آتی ہے۔ لیکن تمہیں وصال کی بجائے اس کی رضا طلب کرنا چاہیے!

دیگر چند ''اقتباسات'' درج ذیل ملاحظہ فرمائیے:

۱۔ ''حقیقی تصوف مذہب کی رُوح، اخلاق کی جان اور ایمان کا کمال ہے۔ اس کی اساس شریعت اور اس کا سرچشمہ قرآن وسنت ہے۔''

۲۔ ''تصوف وسلوک کا مقصد یہ ہے کہ (سالک) پرہیزگاری اور تقویٰ سے آراستہ ہو کر اپنے نفس کے لیے نہ جئے، بلکہ اپنے خدا کے لیے جئے، خدا کے حضور میں اپنے قلب وروح کے سچے اِخلاص کے ساتھ ہر لمحہ حاضر رہے۔

۲۔ مقصد دوم:۔

التقویٰ علی کل حال۔(ہر حال میں تقویٰ اختیار کرنا)

مذکورہ بالا احسانی کیفیت حاصل ہونے کے بعد ہر وقت ''محویت'' ہی میں نہ رہے بلکہ اس حاصل شدہ کیفیت یعنی یقین واستحضار کی کیفیت اپنے اعمال عبدیت میں شامل کرے کہ قرب ورضا کی عطا اعمال نبوت پر ہے۔ گو رضائے الٰہی وہبی (اللہ کی عطا) ہے کوئی چیز اس کی شرط نہیں، مگر اعمالِ نبوت وعبدیت (رسول اللہ ﷺ کے کردہ اعمال اور بندگی کے طریقہ کا اختیار کرنا) رضائے الٰہی کی علامت ہیں......''ان رحمة اللہ قریب من المحسنین'' (اللہ تعالیٰ کی رحمت اہل احسان کے قریب ہے)''قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ'' (کہہ دیجئے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا)۔

یعنی بندہ کی طرف سے ذکر وعبدیت پر رب العالمین ورحمان ورحیم کی طرف سے رضا ومحبت وقرب الٰہی موعود (وعدہ کیا گیا) ہے۔ پس شرعی فقہی مسائل کے مطابق تقویٰ کا اہتمام کرے (التقویٰ علی کل حال) تارکِ شریعت بے حیا شہودی صوفی (اللہ کی تجلیات کے مشاہدہ کا دعویدار مگر شریعت کے اعمال سے لاپرواہ گویا بے حیائی اور ڈھٹائی پر آمادہ تصوف سے منسوب شخص) سے تو وہ مسلمان اچھا ہے کہ جس کو صرف تصدیق قلبی حاصل ہو اور وہ عبادات ومعاملات میں شریعت کے مطابق عمل کرتا ہو، اور گناہوں سے بچتا ہو، یاد رہے ''کسی سے، کسی وقت، کسی حال میں شریعت کا ادب ساقط نہیں ہوتا۔'' (امداد السلوک)

حقوق اللہ وحقوق العباد کا مسئلہ:۔

سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ (پیران پیر) کا ارشاد ہے:

''کن مع الحق بلا خلق و کن مع الخلق بلانفس''

''یعنی حق تعالیٰ سے یوں جڑ جاؤ کہ خلق اس میں حائل نہ ہو اور خَلقِ خدا سے یوں جڑ جاؤ کہ نفس کا حصہ اس میں شامل نہ ہو۔''

حقوق اللہ کی نسبت سے حقوق العباد پیدا ہوتے ہیں۔ تعلقات میں سب سے پہلا

تعلق جو زیر بحث آتا ہے وہ انسان کا تعلق اپنے رب کے ساتھ ہے۔اسی تعلق کے صحیح شعور اور اس کی صحیح معرفت سے انسان کو دیگر حقوق و فرائض کی صحیح شناخت ہوتی ہے۔

یعنی یہ کہ ہمارا تعلق ہماری ذات کے ساتھ کن بنیادوں پر قائم ہے، خاندان، قبیلہ، قوم، حکومت و ریاست کے ساتھ ہمارے تعلق کی بنیادیں کیا ہیں اور بنی نوع انسان (انسانیت عامہ) کے ساتھ ہم کن روابط سے وابستہ ہیں۔

ان تعلقات کی بنیادیں اگر واضح ہو کر سامنے آجائیں اور آدمی ہر غلط بندھن کو توڑ دے اور صحیح رشتہ کو استوار کرے، تو وہ اپنے خالق کا فرمانبردار بندہ، اپنے خاندان اور کنبے کا ایک لائق فرد، اپنی ریاست کا ایک خیر خواہ اور وفادار شہری اور دنیا میں ایک سچا محبِ انسانیت بن جاتا ہے۔یہی وہ مقام ہے جس کو حاصل کر کے درحقیقت انسان ایک صحیح تربیت یافتہ اور پاکیزہ انسان بنتا ہے، اسی طرح کا تربیت یافتہ اور پاکیزہ بنانا طریقت اور تزکیہ کا اصل مقصود ہے جس کی تعلیم حضرات انبیاء علیہم السلام نے دی ہے اور یہی اولیاء کرام کا انسان دوست کردار ہے۔

ادھی راتیں گیا مسیتی
پڑھ پڑھ نفل تہجد نیتی
دلوں نہ گئی ذرا پلیتی
تھمے وانگوں گیا کھلو
لینا اک نہ دینا دو

(آدھی رات کو مسجد گیا، تہجد کی نیت سے خوب نوافل ادا کئے، مگر دل سے ذرا برابر پلیدی نہیں گئی گویا ستون کی طرح کھڑا ہی رہا۔نہ آخرت ملی اور نہ دنیا)

اللہ کی رضا کے علاوہ کوئی کام، کسی بھی نیت سے کرنا نفسانیت ہے (مثلاً مال بڑھ جائے، لوگ تعریف کریں، بڑا بن جاؤں، شہرت مل جائے، عہدہ مل جائے، میں مرجع خلائق (لوگوں کا مرکز رجوع) بن جاؤں، میری بات چلنے لگے، میری حیثیت مانی جائے۔) اللہ سے تعلق اور اس کی خوشنودی کی غرض کے بغیر ہرگز اخلاص اور للّٰہیت کا تصور نہیں ہے۔اللہ کی رضا کی خاطر کام کرنے والوں کے لیے یقیناً دونوں جہانوں میں بھلائی کا وعدہ ہے مگر موعود (یعنی

جس کا وعدہ ہے) موعود ہے (کہ اللہ کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا) مگر مقصود نہیں، اور جو موعود کو مقصود بنا کر کرتا ہے، وہ موعود ہی میں پھنس جاتے ہیں، اور جو لوگ صرف رضائے الٰہی کو مقصود بنا کر چلتے ہیں، ان پر جب خدا کے وعدے پورے ہوتے ہیں اور مال و ملک کی نعمتیں ملتی ہیں تو وہ ان کو اپنی ذات پر خرچ کرنے کے بجائے دین کی اشاعت اور مخلوق خدا پر رضائے الٰہی کے لیے خرچ کرتے ہیں۔ جیسے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کیا تھا۔

تزکیہ کا موضوع نفس انسانی ہے جو علم و عمل دونوں کا مجموعہ ہے۔ اس لیے تزکیہ کے بھی دو پہلو ہیں۔ تزکیہ علم اور تزکیہ عمل۔

تزکیہ علم یہ ہے کہ انسان کا علم تمام کثافتوں اور آلودگیوں سے اس قدر صاف اور پاکیزہ ہو جائے کہ فکر و نظر کے تمام گوشے بے شعوری، اندھی تقلید، جذباتیت، انفرادیت، تنگ نظری جیسی لغزشوں سے اور نفس و شیطان کی فتنہ انگیزیوں سے محفوظ رہ سکیں۔ اتباع ھوی (خواہش کی پیروی) کی بجائے اتباع ھدیٰ (ہدایت کی پیروی) پیدا ہو جائے۔

تزکیہ عمل یہ ہے کہ زندگی کے تمام نشیب و فراز میں انسان کا قدم ذاتی اور وقتی خواہشوں کی رہنمائی میں نہ اُٹھے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی منشاء کے مطابق اجتماعی کاموں میں اُٹھے۔

احساس ذمہ داری کو تقویٰ کہتے ہیں، ایک انسان محض قیاس آرائیوں کی بجائے عملی زندگی میں اچھائی کے پھیلانے اور برائی کے مٹانے میں سرگرم ہو، فرد سب سے پہلے اپنی زندگی سنوارے، اس میں حُسن پیدا کرے، پھر اپنے گرد و پیش میں موجود افراد و احباب کو دعوتِ فکر دے اگر صاحب خانہ ہے تو گھریلو زندگی کو انفرادیت کے تصور کی بجائے اجتماعی تصور پر ترتیب دے۔ گھر کے یونٹ سے محلے اور حلقہ کی اصلاح کی طرف متوجہ ہو، محلے سے شہر اور شہر سے اپنے ملک اور اپنے ملک سے تمام انسانیت اور کل دنیا کی اصلاح اور بہتری کا عزم کرے۔

۳۔ مقصد سوم:۔

ایصال النفع للخلق من غیر تفرقۃ (بغیر فرق و امتیاز کے مخلوق کے نفع کے لیے کوشش کرنا)

جب اللہ تعالیٰ سے بندے کی محبت وطاعت والا معاملہ ہو جاتا ہے تو وہ دیکھتا ہے کہ اللہ کو اپنی مخلوق بڑی پیاری ہے (الخلق عیال اللہ) تو وہ اللہ کی نسبت سے اللہ کی مخلوق کو بہ کمال محبت و خیر خواہی، شفقت و دل سوزی اور بلا تمیز رنگ و نسل و مذہب نفع پہنچانے اور اس کو درپیش ضرر و نقصان سے بچانے کی فکر کرتا ہے من غیر تفرقۃٍ کی شرط کے ساتھ کہ خلق خدا کو نفع پہنچانے میں، اس کے اپنے اور خدا کے درمیان تعلق میں کمی نہ آئے، کہ اسی طرح وہ بے لوث خدمت خلق کر سکے گا ورنہ ذاتی و گروہی اغراض و مفادات کی آلودگی، خدمت خلق کو خدمت نفس میں تبدیل کر دے گی۔

لوائح جامیؒ لائحہ دوم میں ہے کہ:

''تفرقہ عبارت از آں است کہ دل را بواسطہء تعلق با مور متعددہ پراگندہ سازی۔''

''و جمعیت آنکہ از ہمہ مشاہدہ واحد پردازی۔''

(ترجمہ: تفرقہ کا مطلب یہ ہے کہ دل مختلف امور کے تعلق کی وجہ سے پراگندہ ہو جائے اور اس کے برعکس ''جمعیت'' کی اصطلاح ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر چیز کے مشاہدے کے وقت صرف اللہ تعالیٰ ہی میں مشغول رہے۔)

خلق خدا کو نفع پہنچانے کی بہت سی صورتیں ہیں۔ اس کے انتخاب میں بندے کی سمجھ اور اس کے دینی شعور (فقاہت) کی تربیت ضروری ہے۔ مثلاً

(۱)۔ میں اپنی صلاحیت کے اعتبار سے زیادہ سے زیادہ بہتر کون سا کام خلق خدا کی نفع رسانی کا کر سکتا ہوں؟

(۲)۔ دور کے تقاضوں کے اعتبار سے اس وقت اللہ کو کون سا کام زیادہ پسند ہے؟

(۳)۔ جس کام میں شیخ کی توجہ ہو اگر مرید بھی اسی کام میں مشغول ہو جائے تو اس کو زیادہ نفع ہوتا ہے۔

ہمارے حضرت اقدس شاہ سعید احمد صاحب رائے پوری مدظلہم نے ایک موقع پر فرمایا:

''آج ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اولیائے کرام کا انسان دوست کردار اپنا کر، استحصالی نظاموں کے خلاف شعوری جدوجہد کریں تا کہ دنیا میں حق کا نظام غالب آئے اور انسانیت کو باطل ازموں سے نجات ملے۔''

۴۔ مقصد چہارم:۔

عدم تفضیل نفسہٖ علی احد من خلقہٖ۔

(اپنے آپ کو مخلوق میں سے کسی پر بھی برتر نہ سمجھنا)

جیسے ایک جسم میں دو دل نہیں ہو سکتے اور ایک دل میں دو محبتیں اکٹھی نہیں ہو سکتی اسی طرح ایک دل میں دو عظمتیں بھی اکٹھی نہیں ہوسکتیں یا اپنے نفس کی عظمت ہوگی یا اپنے اللہ عزوجل کی عظمت ہوگی۔ پس جب اللہ کی عظمت ومحبت سے بندے کا دل بھر جاتا ہے تو اپنے نفس کی عظمت (خود بینی وخود [illegible]ئی) ختم ہو جاتی ہے۔ یہ احسانی کیفیت کا ثمرہ ہے کہ اس میں تواضع وانکساری پیدا ہو جائے گی۔

دوسری بات یہ کہ انسان کو اپنے انجام کا پتہ نہیں، حسنِ خاتمہ کی فکر اور اہتمام اس کو سراپا اللہ سے رحمت کی امید لگائے رکھنا سکھاتا ہے۔ حدیث قدسی ہے کہ:

من تواضع للہ رفعہ اللہ (الحدیث)

امام شاہ ولی اللہؒ کے والد بزرگوار اور مربی حضرت شاہ عبدالرحیم دہلویؒ کا واقعہ ہے کہ (غالباً) دلّی میں بڑا جوہڑ تھا غلیظ تھا و پلید، گزرنے کے لیے ایک تنگ گزرگاہ تھی۔ ایک دفعہ آپ گزر رہے تھے کہ سامنے سے ایک کتا آ گیا، تنگ راستے کی وجہ سے دونوں آمنے سامنے ٹھہر گئے، آپ نے کتے سے کہا (یا دل میں خیال آیا) کہ ’’تم اگر جوہڑ میں اتر جاؤ تو کوئی مضائقہ نہیں، مجھے رستہ مل جائے گا، اگر میں نیچے جوہڑ میں اترا تو میرے کپڑے پلید ہو جائیں گے‘‘ کتے کو اللہ نے گویائی عطا فرمائی (یا اپنے خیال کی خود احتسابی کے سبب کتے کی طرف سے یہ جواب خیال محسوس کیا) کہ ’’آپ نیچے اتر گئے تو زیادہ سے زیادہ آپ کے کپڑے پلید ہو جائیں گے اور کپڑے آپ پاک کر سکتے ہیں، اگر میں نیچے اترا اور آپ کے دل میں یہ تکبر آ گیا کہ میں اس کتے سے اچھا ہوں تو اس تکبر کی پلیدی دل سے نہیں اترے گی۔‘‘

امام غزالیؒ نے فرمایا:

’’خوف الصدیقین من سوء الخاتمہ عند کل خطرۃ وعند کل حرکۃ‘‘ (احیاء العلوم) (یعنی صدیقین کے ہر خیال اور ہر حرکت کے وقت برے نتیجہ کے

بارے میں حساسیت اور اندیشہ رہتا ہے)اسی لئے ان کا انجام بخیر ہوتا ہے)

یہاں ایسے رہے یا کہ ویسے رہے
وہاں دیکھنا ہے کہ کیسے رہے

جان جملہ علمہا این است وایں   کہ بدانی من کیئم در یوم دیں (عارف رومی)

(تمام علوم کا خلاصہ صرف اور صرف یہی ہے کہ تو جان لے کہ میں اس دن (یوم آخرت) کیا اور کیسے ہوں گا۔) جس قدر دل اللہ کی عظمت سے بھرا ہوگا اسی قدر اس میں تواضع آجائے گی، یہاں تک کہ "عدم تفضیل نفسہ علیٰ احد من خلقه" (اپنے آپ کو کسی پر ترجیح نہ دینا) کا وصف پیدا ہو جاتا ہے۔

۵۔مقصد پنجم:۔

التواضع لامر الله ولخلق الله۔

(اللہ کے حکم اور اللہ کی مخلوق کے لیے تواضع اختیار کرنا اور بچھ جانا)

تکبر ہے بطرُ الحق یعنی تکبر کی وجہ سے انسان حق وانصاف کی بات کو بھی پیچھے ڈال دیتا ہے جب تواضع آجائے گی وہ اللہ کے حکم کا متلاشی رہے گا، حق بات کا متلاشی رہے گا، ایسے ہی متواضع شخص کا خلق خدا سے ساتھ رویہ منکسرانہ ہوگا۔ ہر ایک کا حق ادا کرنے والا ہوگا۔ ایک عالم میں جب تواضع کی صفت آجائے گی، تو اپنے علم پر اسے ناز نہ ہوگا۔ فرشتوں کی تسبیح "سبحانك لاعلم لنا الا ماعلمتنا انك انت العليم الحكيم" (پاک ہے تیری ذات ہمارے پاس اس کے سوا کوئی علم نہیں جو تو نے سکھایا، یقیناً تو ہی جاننے والا حکمت والا ہے)اس کی زبان پر ہوگی۔

پڑھیا پڑھیا تینوں جگ پیا آکھے، توں نہ آکھیں میں پڑھیا
اور جبارؔ قہار سداوے، متاں روہڑ دیوے دودھ کڑھیا

(تمھیں سارا جہاں 'پڑھا لکھا' کہے مگر تم اپنے آپ کو خواندہ نہ کہنا وہ ذات جبار و قہار کہلاتی ہے کہیں کڑھا ہوا دودھ ہی نہ گرادے (یعنی جو علم دیا ہوا ہے وہی واپس نہ لے، لہذا کبھی اپنے علم پر ناز مت کرو)

ناچیز کے خیال میں یہی پانچ باتیں مقاصدِ طریقت کے زیرِ عنوان بیان کی جاسکتی ہیں۔

''مشائخ رائے پور'' میں حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے حوالے سے حضرت مفتی عبدالخالق آزاد صاحب زید مجدہٗ نے لکھا ہے کہ تصوف کی رُوح یہ کہ

(۱)۔قلب ماسوی اللہ کے خیال سے الگ ہو جائے اور باطن میں حضور، ذاتِ خداوندی کا قائم ہو جائے۔

(۲)۔اخلاق رذیلہ: مفاد پرستی، بزدلی، حسد، کینہ، بخل اور بے عقلی کی صورتیں ختم ہو کر اخلاق حمیدہ: اجتماعیت کی سوچ، بہادری، خیر خواہی، فیاضی، سخاوت اور عقل وشعور ایسے فضائل پیدا ہو جائیں۔

(۳)۔دور کے تقاضوں کے مطابق عقل وشعور، فقاہت وبصیرت پیدا ہو جائے۔

(۴)۔اخلاق عالیہ کی اساس پر دور کے عملی تقاضوں کے مطابق حکمت عملی بنانے اور (۵)۔اس پر عمل کرنے کی صلاحیت حاصل ہو جائے۔

آخر میں سلطان الفقر حضرت سلطان باہوؒ کی ایک رباعی سنانے کو جی چاہتا ہے، پھر آپ سے رُخصت چاہتا ہوں۔

مرشد باجھوں فقر کماوے، وِچہ کُفر بڈّے ہُو
شیخ مشائخ ہو بہندے حجرے، غوث وقطب بن اُڈّے ہُو
تسبیحاں نپ بہن مسیتی، جویں مُوش بہندا، وڑ کھڈّے ہُو
رات اندھیاری مشکل پینڈا باہو، سَے سَے آون کُھڈّے ہُو

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العلمین۔ یا حیی یا قیوم بحق لآالٰہ الا انت سبحانك انی کنت من الظالمین۔ اللّٰھم انی اسئلك کمال معرفتك، وحقیقة الیقین برحمتك یا ارحم الراحمین۔ آمین، آمین، آمین۔

شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن کی دستیاب مطبوعات

استعماری مظالم اور ملی تقاضے	شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ
جدوجہد اور نوجوان	شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ
قرآنی دعوت انقلاب	مولانا عبیداللہ سندھیؒ
ولی اللّٰہی فکر کا تاریخی تسلسل	مولانا عبیداللہ سندھیؒ
تقویٰ کیا ہے؟	مولانا عبیداللہ سندھیؒ
دین حق اور برصغیر کا سامراجی نظام تعلیم	مولانا سید حسین احمد مدنیؒ
عبادت وخلافت	مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ
شریعت، طریقت اور سیاست	مولانا محمد الیاس دہلویؒ، مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ
جدوجہد آزادی کا راہنما ادارہ	مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ
دینی تمدن کی تشکیل نو	مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ
اسلام اور گروہیت	مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ
اسلام کا اقتصادی نظام ایک تقابلی جائزہ	مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ
فرد اور اجتماعیت	مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ
وقت کی قدر و قیمت	مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ
ولی اللّٰہی تحریک	مولانا سید محمد میاںؒ
امام شاہ عبدالعزیزؒ افکار اور خدمات	مولانا سید محمد میاںؒ
آزاد قومی پالیسی کا خاکہ	مولانا سید محمد میاںؒ
دین وحدت	مولانا سید سلیمان ندویؒ
جہاد کیا ہے؟	مولانا سید سلیمان ندویؒ
دین اور حکومت	مولانا سید سلیمان ندویؒ

پوسٹ بکس نمبر 938 پوسٹ آفس گلگشت ملتان